Regd. No. A 935
Telephone No. 36
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپے
ایک پرچہ دس نئے پیسے
خارج اشاعت
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۶ | علی گڈھ - ۱۸ اگست ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۳۰

میسور کے اردو افسانہ نگار

رفعت زہرہ

ہماری زبان میں آپ نے پنجابی، گجراتی، تیلگو وغیرہ زبانوں کے افسانوں اور ناولوں اور ان کے لکھنے والوں کے بارے میں پڑھا ہے۔ میں آپ کو میسور کے اردو افسانہ نگاروں اور ان کے افسانوں کے بارے میں کچھ بتاؤں گی۔ میسور اسٹیٹ میں تین زبانیں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ کنڑی، اردو اور انگریزی۔ ان تینوں زبانوں کو ہمارے افسانہ نگاروں نے اپنایا ہے کنڑی میں، تاراسو۔ آنند۔ زنجن، سلیم تمنائی۔ ماستی وینکٹش اینگار۔ ختر لنگیا، اردو میں سہیل مرحوم ممتاز شیریں، سلیم تمنائی۔ صد شاہین۔ عصمت عذرا۔ راؤ آنند، نسیم اقبال۔ تجمل حسین۔ نور حسین۔ عادل وغیرہ، انگریزی میں آر۔ کے نارائن۔ نسیم اقبال وغیرہ مشہور افسانہ نگار ہیں۔ اب ہندی نے بھی کچھ قدم جمائے ہیں۔ سلیم تمنائی کے سوا کوئی قابل ذکر افسانہ نگار میری نظر سے نہیں گزرا۔

کنڑی اور انگریزی افسانہ نگاروں کے بارے میں انشاء اللہ کسی اور صحبت میں میں آپ کو بتاؤں گی اب میسور کے اردو افسانے کی ایک جھلک ملاحظہ فرمایئے۔ دنیا کی ہر زبان میں شاعری اور افسانہ محبوب ترین صنفیں ہیں۔ ہندوستانی زبانوں میں شاعری اور افسانہ جیسی مقبول ترین صنفیں نشان راہ کی حیثیت صرف اردو زبان میں حاصل کرتی ہیں۔ البتہ افسانوی میدان میں کوئی حریف یا حلیف بن سکتا ہے تو وہ بنگالی افسانہ ہے میسور کے اردو افسانہ نگاروں پر انگریزی کا براہ راست اثر پڑا۔ شمالی ہند کے اردو افسانے سے بھی وہ متاثر ہوئے۔ اس طرح ان کے نقش اول باوجود تکنیک پر پورے اترنے کے ان جانے ماحول کی داستانیں تھیں جیسے صادق حسین یا شرر صاحب کے تاریخی ناول۔ اکثر اوہنری، موپساں۔ گورکی، چیخوف، فلابیر، لارنس، منٹو۔ کرشن چندر۔ بیدی اور عصمتی کے افسانوں اور ناولوں کے کردار ہمارے افسانوں میں نام اور لباس بدل کر آتے ہیں۔ تکنیک انھیں سنبھالتی۔ پہلی نظر میں بھلے۔ اس لئے کہ یہ کردار آخر جنوب کی طرح گوشت پوست کے بنے ہوئے ہیں۔ غرض ہماری بوتل اور شراب غیر کا سا معاملہ تھا۔ یہ ارتقا انگریزی اور اردو افسانے کی مقبولیت کا۔ رفتہ رفتہ تنقید نے ان افسانہ نگاروں کو اپنے گریبانوں میں منہ ڈالنے اور اپنے ماحول کو سمجھنے اور لکھنے کا موقعہ دیا۔ اب ان کی تخلیق میں جان آگئی۔ سہیل مرحوم نے تلخ، مسکراہٹ۔ تانگہ والا۔ شکست۔ ذکر اس پری وش کا اور پورتاژ جیسی چیزیں پیش کیں۔ سہیل کی زبان میں روانی۔ رنگینی و شیرینی جاری و ساری ہے۔ ان کے افسانوں میں آنسو بھی ہیں اور تبسم بھی۔ وہ طبقاتی کشمکش سے متنفر تھے۔ ایک حد تک وہ مارکس کے نظریے کو ماننے والوں میں سے تھے۔ یہی نظریہ ان کے افسانوں میں جاری و ساری رہا۔

ممتاز شیریں پر انگریزی افسانے کا زیادہ اثر ہے۔ سہیل مرحوم کے رسالے "نقاد" میں انھوں نے ممتاز صمد کے نام سے کچھ ترجمے کئے تھے۔ پھر ترجموں ہی کی راہ انھوں نے مختلف شمالی ہند کے رسالوں میں جگہ پائی۔ جیسے افسانوں میں "آئینہ"، "انگڑائی"، "اپنی نگریا"، "رانی"، "دیپک راگ"، اور "میگھ راگ"، بہت مقبول ہوئے۔ آئینہ، انگڑائی اور رانی اپنے ماحول کی بھی خاصی ترجمانی کرتے ہیں۔ ویسے آئینہ ناول فرانس کے "میڈم متھا س" سے متاثر ہو کر لکھا گیا ہے۔ لیکن کملا ہی کا کردار جنوب کا ایک جیتا جاگتا کردار ہے۔ گھریلو ماحول کی جھلک بھی آپ کے افسانوں میں ملتی ہے اور بقول عبادت بریلوی ممتاز شیریں ہند و پاکستان کی دوسری خواتین افسانہ نگاروں کے مقابلے میں زندگی کے صحت مند

پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے۔

سلیم تمنائی (مدیر انجمن) کے افسانے اردو ہندی اور کنڑی تینوں زبانوں میں چھپے ہیں۔ اور اکثر آل انڈیا ریڈیو میسور سے نشر ہوئے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں زندگی جاری و ساری ہے۔ فنی اعتبار سے بھی آپ کے افسانے اونچے ہیں۔ آپ کے افسانوں میں گھریلو ماحول کی اچھی خاصی عکاسی ہمیں ملتی ہے۔ بھوکا پیٹ، سفید پوش طبقے کی اچھی ترجمانی ہے۔ خطا، منزل، سلامی، لال پانچھا، بجلی اور دانہ، موجوں کی لڑائی (فسادات پر جو افسانوی ادب ہمیں اردو بنگالی، کنڑی اور دوسری زبانوں میں ملتا ہے ان میں یہ افسانہ ایک اچھا اضافہ ہے اور اپنی نوعیت کا انوکھا بھی) تھیٹر۔ چوہے، لاڈلا بیٹا، پیارا پیپ اور لوٹ گیا سپنا میرا، سلیم کی شخصیت کے آئینہ دار ہیں۔ یعنی طبقاتی کشمکش سے بیزاری۔ وطن دوستی کے مقابلے، جہاں دوستی یعنی ساری دنیا اپنا وطن یا چمن ہے۔ ہر پرندے کو چہچہانے اور آزادانہ پرواز کا پیدائشی حق ہے۔ قوم و وطن کے الگ بت جب تک ہیں نفرت بھی جلو میں ہے اور جنگ بھی۔ امن کوسوں دور ہے۔ بس ساری دنیا اپنی ہے۔ یہ چمن ہمارا رہتا ہے۔ رنگ و نسل کے باوجود سب ایک ہیں۔ جیو اور جینے دو جیسے صحت مندانہ پہلوؤں پر سلیم نے قلم اٹھایا ہے آپ کے افسانوں میں نفسیات کو خاصہ دخل رہا ہے ان کے ہاں نفسیاتی تجربوں کے ساتھ سماجی شعور کا اظہار بھی بڑا گہرا ملتا ہے۔

صمد شاہین۔ نیا دور سے پہلے نقاد میں "جاوید حقانی" کے قلمی نام سے لکھا کرتے تھے۔ اکثر ترجمے میں نے پڑھے ہیں۔ آپ کے افسانے میں طواف، بھولے بھٹکے، توہین وغیرہ اچھے افسانے ہیں۔ پڑھے لکھے نوجوانوں کا آسیبی پن، تن آسانی، تجارت و محبت سے گریز اور نوکری پانے کے طواف کے بے جوتوں کے تلے گھسنا (طواف) جنگ کسی کے لئے زحمت اور کسی کے لئے رحمت تھی۔ کتنے ہی بیکار نوجوانوں کا سہارا تھی۔ بھوکے پیٹ سونا نہیں پڑتا تھا۔ کھا پی کر میدان جنگ میں کٹنا خودکشی سے بہتر تھا۔ (بھولے بھٹکے) توہین، آلڈس ہکسلے کی مخصوص تکنیک میں لکھا گیا ہے۔ غمہ جامہ زیبی، اونچے محل، اور طلاق کے پیچھے جو گہرا راز چھپا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان عادی چیزوں کو برداشت کرنے والی کوئی نہ کوئی کمزور ہستی سامنے ضرور ہوتی ہے۔ اس سماج میں بےصورت طلاق دینا کوئی بری بات نہیں۔ مرد دھکی دیتا ہے۔ لیکن عورت اگر خلع پر تل جائے تو یہ انسانیت کے خلاف تصور کرتا ہے بلیس سمجھتا ہے۔ جاوید ان دیکھی لڑکی اوشا دیوی سے اپنے اصول (انٹرکیسٹ میرج) کی خاطر شادی کرنا چاہتا ہے لیکن تصویر دیکھ کر اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بھائی سے گڑگڑا کر معافی مانگتا ہے۔ پرشوتم کا خط ملتا ہے جس میں انتہائی افسوس کے ساتھ یہ تجویز ہوتی ہے کہ لڑکی کا رشتہ کہیں اور طے ہو گیا۔ جاوید خاموش ہے۔ پھر کہتا ہے۔ "یہ میری توہین ہے"

عصمت عذرا:- نقاد ہی کی پیداوار ہیں۔ "ملاقات" "کریم بوڑھا" جیسے تمثیلی افسانے لکھنے کے بعد "کروٹ"، "رامو، خانم اور اشتراکی" جیسے افسانے پیش کئے۔ آپ کی زبان میں بڑی سادگی اور روانی ہے مارکسی فلسفے کی قائل نظر آتی ہیں۔ "کروٹ" کردار نگاری کی قیمت سے بڑا اچھا افسانہ ہے۔ احمد ایک مزدور ہے۔ اس کی بے مقصد زندگی ایک ہی دائرے میں چکر لگا رہی ہے۔ مل کے مالک کی لڑکی لکشمی کسی بات سے خوش ہو کر اسے اپنا نوکر بنانا چاہتی ہے۔ اس دن سے احمد میں ایک نمایاں تبدیلی ہو جاتی ہے کچھ بننے، آگے بڑھنے، اور لکشمی کی نظر میں سمانے کی کوشش شروع ہو جاتی ہے سیٹھ کی آنکھوں میں وہ کھٹکتا ہے۔ نوکری سے جواب مل جاتا ہے مگر جب وہاں سے نکلتا ہے تو اس کی رگ رگ میں اپنے آپ کو بنانے کی لگن ہے۔

نعیم اقبال کے اکثر افسانے انگریزی میں شائع ہوئے۔ سلیم تمنائی کے ایماء پر انجمن اشاعت اردو میسور کے پندرہ روزہ کے ادبی جیبوں کے لئے اپنے تحقیقی مضامین اور افسانوں کا اردو میں ترجمہ کیا جو ہند و پاک کے مختلف رسالوں میں شائع ہوئے۔ ماں، نمائش، چھمین شمع جلتی رہی، وغیرہ آپ کے بہت اچھے افسانے ہیں۔ آپ کی زبان میں بڑی روانی اور طنز کی چاشنی ہے۔ آپ کے اکثر افسانے ایسی حقیقتیں ہیں جسے افسانہ نگار کی آنکھوں نے دیکھا۔ دل نے محسوس کیا اور چرک کھایا اور قلم نے لکھا۔ اکثر کرداروں کے نام تک اصلی ہیں۔ نمائش، اور ماں ان کے نمائندہ افسانے ہیں۔ نمائش میں ہر چیز کی نمائش ہوتی ہے۔ شریف اور مہذب نوجوان، غنڈوں پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور خود ہائی کلاس غنڈے پن کے مرتکب ہوتے ہیں۔ مجنوں اور فرہاد بنے پھرتے ہیں۔ ان کی اپنی مہذب پالٹی میں ایک انگریزی فوجی پائلٹ بھی شریک ہو جاتا ہے پھر پروگرام اور پلان مرتب ہوتے ہیں۔ وہ حیدرآباد کی نمائش کے رومان پرور قصے سنا کر رال "ٹپکانے" پر مجبور کرتا ہے۔ ہم خیال دوست کو پاکر ہندوستانی دوست خوش ہیں لیکن ——— جب وہ میسور کی نمائش میں ہندوستانی دوستوں کے ساتھ رومان پر اتر آتا ہے کسی ہندوستانی لڑکی کے گالوں کا پوڈر اچک لیتا ہے تو افسانے کے ہیرو "میں" کو برا لگتا ہے "پریم اور ندیم مجھ پر آج بھی ہنستے ہیں۔ کیونکہ میں اب نمائش کبھی کبھار جاتا ہوں۔ کیوں؟ میں نہیں جانتا۔ ——— وکیا زن ہے۔ ایک شریف النفس لڑکی۔ اسے اپنے پیشے سے نفرت ہے کیونکہ وہ ماں کی طرح اپنے پیاروں سے سلوک کرتی ہے محبت

(باقی ص ۱۲ پر)

ہماری زبان

۸ اگست ۱۹۵۷ء

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

(۲)

کچھ معاصرین کا خیال ہے کہ انجمن کو اپنا علمی و ادبی پروگرام ختم کر دینا چاہیئے۔ اور صرف اردو کے تحفظ کی کوشش میں لگ جانا چاہیئے۔ ان لوگوں کے نزدیک شعرا کے کلام کے صحیح ایڈیشن، قدیم تذکرے، جدید تنقید، سوانح، تاریخ، فلسفہ، سائنس پر کتابیں چھاپنا بیکار ہے۔ ان خیالات کو دیکھ کر ہمیں ایک بزرگ یاد آ گئے جو کہا کرتے تھے کہ یونیورسٹی کے کتب خانے میں نئی کتابیں نہیں خریدنا چاہئیں، پہلے یہ اطمینان کر لینا چاہیئے کہ پرانی کتابیں سب پڑھ لی گئیں۔ انجمن کی کتابوں کے متعلق کچھ لوگوں کو شکوہ ہے کہ یہ نہایت خشک ہوتی ہیں اور انہیں پڑھنے سے سر میں درد ہونے لگتا ہے ایسے لوگوں کو ہمارا مشورہ یہ ہے کہ وہ سنسنی خیز رسالے اور چٹ پٹے ناول پڑھا کریں۔ خوش قسمتی سے خشک علمی کتابوں کے پڑھنے والے بھی ہیں اور وہ تعداد میں کم ہی، مگر انہیں سے ادبیات کی آبرو قائم ہے۔ بعض لوگ دبی زبان سے یہ بھی کہتے ہیں کہ علمی کتابیں چھاپنے والے اور بھی ادارے ہیں۔ انجمن کو کوئی اور ٹھوس کام کرنا چاہیئے۔ گویا ادبی کتابیں چھاپنا ٹھوس کام نہیں ہے۔ انجمن اگر کچھ دکانیں بنوائے۔ کچھ کا یک منا مکان بنوا کر کرائے پر اٹھا دے تو اسے معقول آمدنی ہو سکتی ہے اور شاید اسی کو یہ لوگ ٹھوس کام سمجھتے ہیں۔ مگر علمی و ادبی انجمنوں کی کامیابی ان کی آمدنی سے نہیں ان کے بجٹ سے نہیں، ان کے ذہنی اور اخلاقی اثرات سے جانچی جاتی ہے۔ دراصل اردو والے اس وقت بوکھلائے ہوئے ہیں اور اسی لئے انہیں اس قسم کے پوچ اعتراضات میں بھی وزن نظر آتا ہے۔ ورنہ ایسی باتیں اس قابل نہیں کہ ان پر کوئی توجہ کی جائے۔

علمی اور ادبی کام کی ہر حالت اور ہر زمانے میں ضرورت ہے۔ کسی ادب کی منزلت کا معیار یہی ہے کہ اس میں علمی و ادبی کام کی رفتار قابل اطمینان ہے۔ اس میں قدیم ادب کے خزانوں کو کھنگال کر برابر موتی نکالے جاتے ہیں، اس میں پرانی شراب کو نئی بوتلوں میں برابر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں اساتذہ کے فکر و فن کو نئے نئے زاویوں سے برابر جانچا جاتا ہے اس میں تاریخ، فلسفہ، نفسیات، معاشیات، سماجیات کا عطر برابر پیش کیا جاتا ہے۔ انجمن تقریباً ۷۰ سال سے یہ کام کر رہی ہے۔ اسے اپنی اس شاندار روایت کو ہر حال میں قائم رکھنا ہے بلکہ اپنے معیار کو اور بلند کرنا ہے۔ پھر اسے لغات، قاموس، حوالوں کی کتابیں، فرہنگ اصطلاحات، محاورات، تلمیحات کے مجموعے شائع کرنا ہیں تاکہ زبان کا سارا سرمایہ محفوظ بھی ہو جائے اور اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ فائدہ بھی اٹھا سکیں۔ اسے جدید دور کی ضروریات کو دیکھتے ہوئے انتخابات بھی شائع کرنے ہیں اور معلوماتی ادب بھی مہیا کرنا ہے تاکہ ادبی ذہن کو علمی غذا مل سکے اور تاثرات کو گہرائی اور گیرائی حاصل ہو۔ انجمن اپنے علمی و ادبی رول کو کم نہیں کر سکتی اسے تو اور بہت بڑھانا ہے۔

ہاں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ علمی و ادبی کام سر آنکھوں پر، مگر جب زبان کو خطرہ ہو تو ایسے میں سب کام چھوڑ کر زبان کی حفاظت میں تن من دھن سے لگ جانا چاہیئے۔ ان سے ہمیں کچھ عرض کرنا ہے۔ زبان کی حفاظت کے کام کو علمی و ادبی کام سے علیحدہ کرنے میں بڑے خطرے ہیں۔ زبان کی حفاظت کے وہ لوگ بھی دعوے دار بن بیٹھے ہیں جو خالص سیاسی مصالح کو دیکھتے ہیں جو عوام کے ہر طبقے سے اپنے لئے اقتدار حاصل کرنا چاہتے ہیں یا جنہیں اپنی بندوق کے لئے کسی دوسرے کندھے کی ضرورت ہے۔ پھر زبان کے سوال کو مذہبی رنگ دینے والے بھی ابھی موجود ہیں اس لئے زبان کی حفاظت اور اشاعت کی تحریک ان شخصوں یا اداروں کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے جو زبان کی خصوصیات سے واقف ہیں، جو ادب کے حسن و قبح کو پہچانتے ہیں، جو ادب اور تہذیب کے رشتے سے واقف ہیں۔ ہر تحریک کو ایک ذہنی قیادت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو کی تحریک کی ذہنی قیادت اگر اس کے ادیب اور شاعر، اس کے معلم اور محرم راز کریں تو یہ تحریک غلط راستے پر نہیں پڑ سکتی۔ ظاہر ہے کہ اردو کی تحریک کے لئے عوامی طاقت اور سیاسی شعور دونوں کی ضرورت ہے۔ اچھے ادبی رہنما یہ پہلو کبھی نظر انداز نہیں کرتے۔ اس لئے ادیبوں کی قیادت یا یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ کی کاوشیں تحریک کے لئے ہر طرح مناسب ہیں اور ان پر اعتراض کسی طرح درست نہیں۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انجمن کی تنظیم ابھی کافی جاندار نہیں اور اس کا رشتہ عوام سے ابھی مضبوط نہیں ہوا۔ ان سے ہمیں اتفاق ہے۔ اب تک انجمن کی تنظیم ہمارے دوسرے تہذیبی یا علمی اداروں کی طرح ناقص رہی ہے۔ مرکز بھی اتنا فعال اور با عمل نہیں رہا جتنا اسے ہونا چاہیئے اور شاخیں بھی زیادہ تر محدود رہے اور

بے جان رہی ہیں۔ مرکز سے انھیں وہ رہنمائی کم ملی اور خود کچھ کرنے کا انھیں کم حوصلہ ہوا۔ اس کے باوجود کچھ شاخوں نے اپنے حلقے میں بہت اچھا کام کیا ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مناسب ہمت افزائی اور نگرانی کے بعد ان کی افادیت بہت بڑھے گی شاخیں اپنے اپنے حلقے میں اردو زبان کی حفاظت کے لئے بہت کچھ کر سکتی ہیں وہ جہاں جہاں اردو کے ساتھ بے انصافی ہو رہی ہے اس کے خلاف آواز بلند کر سکتی ہیں۔ وہ معقول عناصر سے تعاون کر کے اردو دوستی کی فضا قائم کر سکتی ہیں۔ انھیں مشاعرے اور ادبی اجتماع بھی ضرور کرنے چاہئیں۔ مگر ان کے لئے ضروری ہے کہ صرف مشاعروں یا ادبی جلسوں تک اپنی کوششوں کو محدود نہ کریں بلکہ کچھ مدارس چلائیں۔ کچھ ریڈنگ روم کھولیں۔ ممبروں کی تعداد بڑھائیں صحیح اعداد و شمار جمع کریں۔ ریاستی شاخوں اور مرکز سے ربط قائم رکھیں۔ اس کام میں داد کم ملتی ہے۔ شہرت کے مواقع بھی محدود ہیں مگر خدمت کے لئے اس میں ایک وسیع میدان ہے اور آج ہمیں خود ساختہ لیڈروں کی نہیں اچھے کارکنوں کی ضرورت ہے۔

اردو والوں کے سامنے اعتراضات اپنوں پر صرف ہو جاتے ہیں۔ ان کے ترکش میں جتنے تیر ہیں وہ برادری پر ہی آزمائے جاتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا حربہ طنز ہے۔ مگر اس طنز میں اصلاح پر کم اور چوٹ پہنچانے پر زیادہ توجہ رہتی ہے۔ یہ حقیقت بڑی تلخ ہے مگر اس کا اظہار کئے بغیر چارہ نہیں کہ اردو میں ہر شخص مفکر ہے ہر شخص مصلح اور مدبر۔ رہنما بہت ہیں۔ رہرو خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ اردو کی تحریک کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے۔ حکومت کی بے نیازی یا اکثریت کی تنگ نظری سے اردو کو اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا اردو والوں میں ضبط و نظم شعور اور ہوش کی کمی کی وجہ سے پہنچ سکتا ہے اگر اردو دوست سنجیدہ اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کی نیت پر شبہ کرنا چھوڑ دیں، اور اردو کی بقا کے لئے جو باشعور کوششیں ہو رہی ہیں ان کو کمزور کرنے کی کوشش نہ کریں تو اب بھی اردو کا مستقبل محفوظ ہو سکتا ہے۔ یہ کوششیں تو بہرحال جاری رہیں گی مگر اردو دوستوں سے یہ اپیل ضروری ہے کہ وہ ذہنی بچپن چھوڑ کر دشواریوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور اپنی قوت اپنوں پر بے جا طنز و تعریض میں ضائع نہ کریں۔ طنز سے ممکن ہے دل بہل جائے مگر حالت نہیں سدھر سکتی۔ جنھیں منزل پر پہنچنے کی لگن ہوتی ہے وہ سارا وقت ساتھیوں پر اعتراض کرنے میں ضائع نہیں کرتے، آگے بڑھنے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انجمن کے وفد کی راجستھان کے چیف منسٹر سے ملاقات

جولائی کی کانفرنس میں یہ طے ہوا تھا کہ مرکزی انجمن کا ایک وفد راجستھان کے چیف منسٹر سے ملے اور ریاستی شاخ نے جن مسائل کی طرف حکومت کو توجہ دلائی تھی۔ ان کے متعلق کارروائی کا مطالبہ کرے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمٰن ایم۔ پی۔ پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری، ڈاکٹر عبدالعلیم، جناب عبدالوہاب خیری صدر ریاستی انجمن اور جناب احترام الدین شاغل سکریٹری ریاستی انجمن پر مشتمل ایک وفد ۴۔ اگست کو ۱۱ بجے دن کے چیف منسٹر سے ملا اور ان سے درخواست کی کہ اردو میں ابتدائی تعلیم کا جلد سے جلد انتظام کیا جائے اور ثانوی مدارس میں جہاں اردو ختم ہو گئی ہے اسے دوبارہ رائج کیا جائے۔ نیز اردو میں نصاب کی کتابیں فراہم کی جائیں عدالتوں میں اردو کی درخواستیں اور دستاویزیں قبول کی جائیں اور اردو کی کتابوں کے لئے اسکولوں کو امداد دی جائے۔ چیف منسٹر نے یقین دلایا کہ حکومت ہند اور پارلیمنٹ کی ہدایات پر پورا عمل کیا جائے گا اور سکریٹری تعلیمات اور ڈائرکٹر تعلیمات کو ہدایت کی کہ وفد سے تمام تفصیلات پر گفتگو کرے۔ چنانچہ وفد نے ان دونوں افسروں سے ہر مسئلے پر بات چیت کی اور طے ہوا کہ بہت جلد حکومت راجستھان کی پالیسی تمام مسائل کے متعلق واضح کر دی جائے گی اور ہر جائز مطالبے کو پورا کیا جائے گا۔ امید ہے کہ اس گفتگو کے نہایت خوشگوار نتائج برآمد ہوں گے۔

کتابوں کا عطیہ

جناب حکیم سید عبدالقوی صاحب سہسوانی نے انجمن کے کتب خانے کے لئے طب پر پانچ قلمی کتابیں بطور عطیہ مرحمت فرمائی ہیں۔ یہاں موصوف کی کتابوں کی تفصیل شکریے کے ساتھ درج کی جاتی ہے

(۱) بحر الفوائد　　تعداد اوراق ۲۶۰

(۲) منتخب الاطبا۔ (ناقص الاخر) تعداد اوراق ۲۵ ½
ہدایۃ السائل فی تحصیل الفضائل۔ احمد اللہ کتابت ۱۲۴۰ھ اوراق ۱۵
دل ایل لیوڈیپ (مطبوعہ محمد عصمت اللہ مترجم احسنی پریس پٹنہ) صفحات ۴۴
مجلد طبیہ دہلی (مطبوعہ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ افضل المطابع دہلی) صفحات ۴۴

(۳) مجربات حکیم سلیم الدین۔ تعداد اوراق ۱۲۰۔

(۴) رسالہ تشریح الاجسام (مطبوعہ امیر فضل علی دہلوی) مصنف صفحات ۱۸۳
مطبع حیدریہ احمدی۔ لکھنؤ ۱۳۰۵ھ
صانع العلاج۔ تعداد اوراق ۲۲۱

(۵) المغنی بشرح الموجز فی الطب۔ تعداد اوراق ۱۲۱ء

انجمن کی خبریں

سالانہ جلسہ عام انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی

انجمن ترقی اردو شاخ بمبئی کا بارہواں سالانہ جلسہ ۲۷ جولائی ۱۹۵۵ء کو منعقد ہوا۔ جلسے کی صدارت جناب کیفی اعظمی صاحب نے فرمائی۔ سب سے پہلے جنرل سکریٹری مدن موہن کالیہ نے انجمن کی ۱۹۵۴-۵۵ء کی کارگزاری کے سلسلے میں مختصر رپورٹ پیش کی اس کے بعد انجمن کے خازن جناب شہاب الدین دسنوی صاحب نے حسابات کا گوشوارہ پیش کیا۔ سکریٹری انجمن نے اس دارالمطالعہ کی رپورٹ پیش کی جو انجمن کے زیر اہتمام جاری ہے اور جس میں ہندوستان و پاکستان کے متعدد اردو رسالے قارئین کے لئے مہیا کئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد انجمن کے عہدے داروں اور منتظمہ کے اراکین کا انتخاب عمل میں آیا۔ عہدے داروں کا انتخاب اتفاق رائے سے ہوا مگر اراکین کی دس جگہوں کے لئے ۱۳ امیدواروں کے نام پیش کئے گئے تھے جس کی وجہ سے رائے شماری کے بعد مندرجہ ذیل مجلس منتظمہ کی تشکیل ہوئی۔

صدر:- جناب سید شہاب الدین دسنوی صاحب

نائب صدر:- جناب مدن موہن کالیہ صاحب

" جناب حمیدہ اختر صاحب

جنرل سکریٹری:- جناب سردار راجندر سنگھ بیدی صاحب

نائب سکریٹری:- جناب مظفر شاہجہاں پوری صاحب

" جناب محمد حیدر احمد صاحب

خازن:- جناب ذکریا شریف صاحب

اراکین منتظمہ:- ۱۔ کیفی اعظمی صاحب ۲۔ محمود چھاپرہ صاحب ۳۔ سلطانہ جعفری صاحبہ ۴۔ ابوبکر مرچنٹ صاحب ۵۔ صدیق جیجی صاحب ۶۔ عبدالحق سعید صاحب ۷۔ محمد ابراہیم مرچنٹ " ۸۔ عبدالمجید صدیقی " ۹۔ شیخ عبدالقادر " ۱۰۔ یعقوب رضوی "

جلسے میں کچھ قراردادیں منظور کی گئیں جن میں بمبئی کے اردو اخبارات کے مالکان اور اردو صحافیوں کا بیش عرض ادیبوں اور کارکنوں کا شکریہ ادا کیا گیا جن کے تعاون سے انجمن اردو کی خدمت کرنے کے قابل ہوتی ہے۔ ایک قرارداد کے ذریعے انجمن کے اعزازی آڈیٹر مسرز ایس ای مرچنٹ اینڈ کمپنی کا شکریہ ادا کیا گیا جو کئی سالوں سے انجمن کے حسابات بلامعاوضہ آڈٹ کرتے ہیں۔

اردو

میرے دامن میں شگوفے بھی ہیں انگارے بھی ہیں — مجھ کو پہچانو کہ میں قدرت کے دل کا راز ہوں
میں کہ ہوں حسن و جوانی کا مقدس زمزمہ — میں کہ ساز وقت کی جادو بھری آواز ہوں

وقت کو اڑنا سکھایا ہے مری پرواز نے — زندگی کے حسن کو بخشا ہے حسن لازوال
مشرق و مغرب میں ہے چاروں طرف چھایا ہوا — میرے گیتوں کا تقدس میرے نغموں کا جمال

سیکھتے ہیں مجھ سے اہل علم و فن جادو گری — میرے افسانوں سے ملتا ہے حقیقت کا سراغ
میں نے تہذیب و تمدن کی اندھیری رات میں — خون فطرت سے جلائے ہیں تجسس کے چراغ

میں نے پیدا کی ہیں ہر سینے میں دل کی دھڑکنیں — اور ہر دھڑکن کو بخشی ہے محبت کی ترنگ
زندگی کو چاند سے دلکش بنانے کے لئے — دھندلے خاکوں میں بھرا ہے حسن کے جلووں کا رنگ

آسمانوں نے جھکایا ہے مرے قدموں میں سر — ماہ و انجم نے دیا ہے میری عظمت کو خراج
اور پہنایا ہے میں نے حسن کے دربار میں — ملک شعر و سخن کو نورتن ہیروں کا تاج

وقت کی تاریخ کے بکھرے ہوئے اوراق پر — میں نے لکھی خون دل سے حریت کی داستان
کاٹ کر جرأت کے تیشہ سے غلامی کا پہاڑ — میں نے تابندہ کیا مستقبل ہندوستان

میں نے سینے سے لگا کر لوریاں دی ہیں جنہیں — اب وہی بیتاب ہیں مجھ کو مٹانے کے لئے
اس طرح لیکن تعصب خیز پھونکوں سے کبھی — گل نہ ہوں گے میری عظمت کے درخشندہ دیئے

ظلم و استبداد کے اٹھے ہوئے طوفان سے — میں کہ ابھروں گی کسی سرکش سفینے کی طرح
علم و فن کی قیمتی انگشتری میں حشر تک — میرا ہر ہر لفظ چمکے گا نگینے کی طرح

(پریتم داس برشتی)

شاخ بیدر

مسٹر مختار احمد گیلانی معتمد شاخ انجمن ترقی اردو ہند بیدر کی اپیل پر ہر مقامی ادبی ادارے اور اردو دوست شہریوں کی جانب سے یوم اردو منانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں

سکریٹری صاحب نے اہل بیدر سے پرجوش اپیل کی ہے کہ یوم اردو منانے اور اردو کو اس کا اصلی مقام دلانے میں انھیں کسی سے پیچھے نہ رہنا چاہیے۔

شاخ بڑھ گنج (یوپی)

عبدالغفور صاحب سکریٹری شاخ انجمن بڑھ گنج ضلع گورکھپور اطلاع دیتے ہیں:

اردو کانفرنس کے فیصلوں کے مطابق ہمارے یہاں کام شروع ہو گیا ہے۔ ہر ہفتہ مقامی شعرائے کرام کو ساتھ لے کر مشاعرہ کیا جاتا ہے۔ عوام میں یہ ہفتہ وار مشاعرہ بہت مقبول ہو رہا ہے

۲۹ جولائی ۵۱ء کو ایک مشاعرہ شباب تاج ماہی کی صدارت میں بہت کامیاب رہا حاجی محمد ظہور صاحب نے مبلغ ۲ روپے شمس صاحب کے ایک شعر سے خوش ہو کر دیے۔ وہ شعر یہ ہے:

ہوئے سرخرو جس سے بزم جہاں میں
وہ نغمہ، وہ نعرہ بھلانے نہ دیں گے۔

جامعہ اردو

"امتحانات جامعہ اردو میں فیس و فارم کے داخلے کی تاریخ میں توسیع"

بوجہ التواء امتحانات جامعہ اردو میں فیس و فارم کے داخلے کی آخری تاریخ بجائے ۵ اگست کے ۱۵ اگست کردی گئی ہے۔ اس کے بعد ۵ ستمبر تک دو روپے فیس تاخیر کے ساتھ فارم داخل ہو سکیں گے۔

(ظہیر الدین علوی رجسٹرار جامعہ اردو)

ناگری اور اردو دونوں رسم خط

حیدرآباد میں ہندی کے مشہور کارکن ایم ستیہ نارائن صاحب کی خدمات کے اعتراف کے لیے ایک جلسہ صدر جمہوریہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ستیہ نارائن صاحب خود بھی تشریف فرما تھے۔ موصوف ۳۰ سال سے جنوب میں ہندی رائج کرنے کی خاموش اور مسلسل خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر گوپال ریڈی وزیر مالیہ آندھرا نے اپنی خیرمقدمی تقریر میں فرمایا کہ ستیہ نارائن صاحب نے ۱۹۲۱ء میں ہندی کی ترویج کا کام شروع کیا انھوں نے مدراس میں اس قدر بڑا ادارہ قائم کیا ہے کہ وہ ایک یونیورسٹی کیمپس کی طرح ہے وہ ایک خیالی نہیں عملی انسان ہیں وہ یقیناً ایسی ہندستانی زبان کے حامی ہیں جو دہلی کے اطراف میں عوام بولتے ہیں قومی زبان محض ایک صوبجاتی زبان نہ ہونی چاہیے بلکہ ایک ایسی زبان ہو جسے نہ صرف ہندو بلکہ اقلیتیں بھی بہ آسانی بول اور سمجھ سکیں۔ آپ ان لاکھوں ہندستانیوں کو بھی ساتھ لینا ہے جن کی مادری زبان اردو ہے۔ موجودہ حالات میں نہ تو فارسی سے بھری ہوئی اردو قومی زبان بن سکتی ہے نہ سنسکرت سے بھری ہوئی ہندی اس مقصد کو پورا کر سکتی ہے بلکہ ایک بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ آسان اور سادہ زبان ایک ہو جو دونوں رسم خط میں لکھی اور طبع کی جائے مسٹر ستیہ نارائن کی کوشش سے دکشن بھارت ہندی پرچار سبھا نے اس طرح کی بعض نصابی کتابیں شائع کی ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں ابھی تک کوئی باقاعدہ کوشش نہیں کی گئی۔

اُردو دُنیا

اورنگ آباد میں یوم اردو

اورنگ آباد - انجمن ترقی اردو کی تجویز کے مطابق ۲۰ اگست کو اورنگ آباد میں مطلع ادب کی جانب سے یوم اردو منایا جا رہا ہے پروگرام میں مشاعرے اور تقاریر کے علاوہ ایک مباحثہ "مرہٹواڑہ میں اردو کا موقف" بھی شامل ہے۔

یوم اردو کے لئے داعیوں کی ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس میں بشر نواز، قاضی سلیم اور خوشحال راؤ مکانے ایڈوکیٹ شامل ہیں۔

مشاعرے میں سکندر علی وجد، اختر الایمان، رفعت سروش اور باقر مہدی کی شرکت کی توقع ہے۔ مشاعرہ سکریٹری کے فرائض پروفیسر صفی الدین صدیقی انجام دیں گے۔

گورنر کی تقریر اردو میں

آندھرا حکومت کے شعبۂ اطلاعات نے یہ اطلاع شائع کی ہے کہ آندھرا کے نئے گورنر شری بھیم سین سچر آندھرا پردیش کے لوگوں کے نام ایک پیام اردو میں نشر فرمائیں گے اس کے فوراً بعد اس پیام کا ترجمہ تلگو میں نشر کیا جائے گا۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا

ماسکو میں دہلی کی زراعتی نمائش کے کھلے تھیٹر میں ہندوستانی رقص و موسیقی کا پروگرام منعقد ہوا جس میں پدمنی اور راگنی کے رقص نے لوگوں کو مسحور کر دیا۔

اس پروگرام کی ابتدا اقبال کے ترانے "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" سے ہوئی اس کی دھن پنڈت روی شنکر نے بنائی۔ یہ ترانہ روس میں بہت مقبول ہے رشید بیبی بوت کا گایا ہوا اس کا ریکارڈ ماسکو ریڈیو سے بجایا جاتا ہے۔

عجیب — چائے کی ہندی

پارلیمنٹ میں کمیونسٹ ممبر مسٹر پانڈے (یو۔پی) نے کہا کہ ہندی کے نادان حامی عام بول چال کے لفظوں کا بھی سخت ہندی میں ترجمہ کرکے ہندی کو ناقابل فہم بنا رہے ہیں مثلاً یو۔پی کے ایک ہندی اخبار نے چائے ایسے عام فہم لفظ کا ترجمہ "دگدھ شرکا رمشات پروت اتپن واشپائے پائے" کیا ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ دودھ، شکر، ابلے ہوئے پانی اور ایک ایسی چیز سے بنا ہوا مشروب جو پہاڑ پر پیدا ہوتی ہے۔ موصوف نے فرمایا کہ ہندی کے نادان دوستوں کو اس قسم کی بچگانہ کوششوں سے روکنا چاہئے۔

خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ٭ ہم تو عاشق ہیں تمھارے نام کے

ستم ظریفی

موقر معاصر صدق جدید رقم طراز ہے:۔

... ایک عجیب تماشا دیکھنے میں آیا دریبہ کلاں کا اسٹیشن، زمین دوز پلیٹ فارم کی تختیاں جو ادھر ادھر لگی ہوئی ہیں ان دونوں پر اسٹیشن کا نام صرف دو خطوں میں لکھا ہوا ہے۔ ایک ناگری دوسرے انگریزی حروف میں۔ اردو حروف کا سرے سے بائیکاٹ ہے۔ حالانکہ اس سے متصل جو دوسرے اسٹیشن اس لائن (ای۔ آئی۔ آر) کے ہیں مثلاً جہانگیر آباد وغیرہ ان سب پر نام ہندی انگریزی کے علاوہ اردو میں بھی ہیں ..... ایک اور کمال اس سے بھی بڑھ کر ملاحظہ ہو۔ پلیٹ فارم کے وسط میں ایک بڑے تختے پر یہ عبارت انگریزی ناگری حروف میں جلی خط سے منقوش ہے۔

"سورگیہ رفیع قدوائی کا مزار یہاں سے دو میل ہے"۔ اول تو غریب اردو یہاں بھی اغلط اور پھر اس ہندی نوازی کے جوش میں ادنیٰ مناسبت سے بجائے مرحوم کے "سورگیہ" کتنا موزوں۔ گویا مزار پر حاضری و فاتحہ خوانی کے لئے جو لوگ آئیں گے وہ اردو سے ناآشنا اور صرف ہندی خواں ہوں گے۔

انجمن کی زیر طبع کتابیں

۱۔ تنقیدیں — ڈاکٹر خورشید الاسلام
۲۔ مقالات حالی حصہ اول — مولانا حالی
۳۔ چند ہم عصر — مولوی عبدالحق
۴۔ نوائے ظفر (انتخاب کلام ظفر مع مقدمہ) مرتبہ خلیل الرحمن
۵۔ من سمبادھ — پنڈت سندر لال
۶۔ تذکرہ شعرائے جے پور — مرتبہ مولوی احترام الدین شاغل
۷۔ ہندوستانی اخبار نویسی — عتیق صدیقی
۸۔ انتخاب کلام مخدوم — (نیا اڈیشن) مخدوم محی الدین
۹۔ آئینۂ حقیقت — پنڈت حبیب الرحمن شاستری

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

یوم اُردو

"بمبئی کے مشہور ادبی رسالے "شاعر" کے اداریئے (جو جولائی ۵۷ء کے شمارے میں چھپا تھا) سے کچھ اقتباس، معاصر موصوف کے شکریے کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ عدم گنجائش کی وجہ سے پورا اداریہ نہیں دیا جا سکا۔"

۲۰-۲۱ جولائی ۵۷ء کو انجمن ترقی اردو ہند کی طرف سے علی گڑھ میں ایک اردو کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً ایک سو نمائندوں نے شرکت کی۔ خوشی کی بات ہے کہ یہ کانفرنس ہنگامی نہ تھی۔ ہر چند اس میں کم لوگ شریک ہوئے۔ لیکن شریک ہونے والے حضرات میں سے اکثر ذمہ دار اور صاحب رائے تھے کانفرنس کے دو روزہ سیدھے سادے جلسوں میں ان گنے چنے شرکا نے سر جوڑ کر مسائل اردو پر غور و خوض کیا۔ بہت سی ضروری اور کام کی باتیں معرض بحث میں لائی گئیں۔ پھر اتفاق رائے سے گیارہ اہم تجاویز پیش ہوکر منظور ہوئیں کانفرنس کی روداد سے اندازہ ہوا کہ دونوں دن جلسوں کے دوران انہماک، توجہ اور دلچسپی کا عنصر غالب رہا۔

انجمن ترقی اردو ہند کے دھارے ایک نئی سمت کی طرف مڑ رہے ہیں۔ انجمن کے اراکین شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اردو کے سلسلے میں اب تک اردو والوں کی جد و جہد بے اثر رہی ہے اس لئے کرنل بشیر حسین زیدی کا یہ جملہ

"ایسا نہیں ہے کہ چونکہ انجمن کو حکومت سے مالی امداد ملتی ہے۔ اس لئے وہ حکومت کے خلاف کچھ نہیں کہہ سکتی اور ہمیشہ نرم روی اور آہستہ خرامی کی تلقین کرتی ہے۔ حکومت کی امداد ہمارا جمہوری حق ہے۔"

اردو کانفرنس میں منظور شدہ یہ تجویز کہ:

"اردو کو علاقائی زبان کے بجائے آل انڈیا زبان کی حیثیت سے سرکاری زبان کے طور پر تسلیم کیا جائے۔"

انجمن کے اس نئے موڑ کا احساس دلانے کے لئے کافی ہے جدھر اس نے رخ کیا ہے۔ حالات اتنے ہی پیچ در پیچ ہیں کہ جب تک پوری قوت، ذہانت اور فراست سے کام نہیں لیا جائے گا۔ اردو کے لئے سازگار ماحول پیدا نہیں ہوگا۔ اب ڈرنا جھجکنا دبنا اور رکنا خلاف مصلحت ہے۔

دفتر "شاعر" میں کچھ ایسے خطوط آئے ہیں جن میں اس بات پر اظہار مسرت کیا گیا ہے کہ انجمن کی کانفرنس میں جو باتیں معرض بحث میں آئیں، اور جو قراردادیں منظور ہوئیں ان میں سے اکثر وہ ہیں جو مدیر شاعر نے ۵۵ء، ۵۶ء، ۵۷ء اور سال رواں میں شاعر کے اداریوں میں پیش کی ہیں۔

یہ درست ہے کہ مدیر شاعر نے مسلسل آٹھ سال مسائل اردو پر مضامین اور اداریے لکھے ہیں۔ ایسے اداریے جن سے ملک میں ایک فضا پیدا ہوئی، ایک جذبہ ابھرا، عوام و خواص میں سوچنے سمجھنے اور کام کرنے کی لگن پیدا ہوئی۔ اردو عوام بہت سے خطرات سے آگاہ ہوئے اور یہ بھی یقیناً خوشی کی بات ہے کہ اردو کانفرنس میں شریک ہونے والے ادیبوں، شاعروں، صحافیوں اور اراکین انجمن نے ان معروضات کو پیش نظر رکھا۔ حاشا کہ یہاں یہ تذکرہ کسی اور جذبے کے تحت نہیں کیا جا رہا ہے۔ مدیر "شاعر" اردو کا ایک ایسا خاموش ادب بے غرض خدمت گزار ہے جو اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ حق ادا نہیں ہوا۔ اس سلسلے کی اہم ترین بات اگر کوئی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ مدیر شاعر کی تمام معروضات کسی نہ کسی شکل میں انجمن کے مشترک پلیٹ فارم سے آگے بڑھائی جا رہی ہیں، شاعر میں ہمیشہ متحدہ محاذ پر زور دیا گیا۔ ہزاروں لوگوں کے اصرار کے باوجود مدیر شاعر نے کبھی اردو کے لئے الگ محاذ قائم کرنے کی تجویز قبول نہیں کی اور یہی چاہا کہ جو کچھ ہو وہ انجمن ترقی اردو ہند کے پلیٹ فارم سے ہو۔

مسائل اردو کے سلسلے میں اب تک جو معروضات پیش کی جا چکی ہیں ان کے اعادے کا یہاں محل نہیں ہے البتہ یوم اردو کے سلسلے میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اکتوبر ۵۵ء کے شاعر میں مدیر شاعر نے بایں الفاظ اردو والوں کو متوجہ کیا تھا۔

"ہماری رائے میں پہلا موثر طریقہ احتجاج یہ ہو سکتا ہے کہ جلد از جلد پورے ہندوستان میں ایک ہی دن "یوم اردو" منایا جائے اور یکساں اور انتہائی موثر حقیقت کشا قراردادیں منظور کر کے ہر شہر سے حکومت کو بھیجی جائیں۔ اسی دن ہر جگہ پُرامن طریقے پر جلوس نکالے جائیں جلسے ہوں۔ اردو والے اپنے کاروبار بند رکھیں۔

زبانِ اہل زباں میں ہے مرگ خاموشی" (۱۴-۱۰ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

شکر ہے کہ تقریباً دو سال بعد یوم اردو کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ اور انجمن ترقی اردو کی تحریک پر ۱۵ اگست ۵۷ء کو پورے ہندوستان میں یوم اردو منایا جائے گا۔ اللہ اس دن کو کامیاب کرے۔ اردو والے اسے اتنے عظیم الشان پیمانے اور منظم طریقے پر منا سکیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کا کوئی جواب نہ مل سکے۔ ہمارا یوم اردو اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جبکہ پورے ہندوستان کے لئے پہلے سے ایک منضبط پروگرام مرتب کیا جائے۔ پورے جوش و خروش اور خلوص کے ساتھ اردو والے اس میں حصہ لیں۔

"شاعر" بمبئی۔ اگست ۵۷ء

معاصرین

دہلی میں یوم اردو منانے کی تیاریاں

یہ خبر خوشی کے ساتھ سنی جائے گی کہ دہلی میں یوم اردو منانے کی تیاریاں شروع ہیں اور اس کو کامیاب بنانے کے لئے بیگم حمیدہ سلطان، مسٹر اجمل خاں پرائیوٹ سکریٹری مولانا ابوالکلام آزاد، مسٹر مالک رام، بیگم انیس قدوائی، مسٹر ساحر ہوشیارپوری، مسٹر گن بیر پرشاد ماتھر اور مسٹر گلزار دہلوی وغیرہ فدایان اردو انتہائی کوشش کر رہے ہیں۔ اور یہ تقریب ۲۵، اگست ۱۹۵۵ء کو منائی جائے گی۔

دہلی اردو زبان کا مرکز تھی اور یہ افسوسناک واقعہ ہے کہ باوجود پنڈت نہرو کی بار بار تنبیہ کے دہلی کو اس قابل قدر زبان سے محروم کیا جا رہا ہے اور اس زبان کی موجودہ حالت یہ ہے کہ دہلی کی بیس لاکھ آبادی والے شہر میں شاید ایک بھی سرکاری اور نیم سرکاری سکول یا درس گاہ ایسی نہیں جس میں کہ اردو پڑھائی جاتی ہو حالانکہ ہندوستان کے آئین کے مطابق ہندوستان کی زبانوں میں یہ زبان ایک تسلیم شدہ زبان ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چوتھائی صدی کے بعد تلاش کرنے پر بھی اردو پڑھنے والا کوئی نہ ملے گا۔ کیونکہ موجودہ نسل جب اردو حروف سے ہی نا آشنا ہوگی تو اس زبان کے جاننے اور پڑھنے والے کہاں ملیں گے۔ دہلی کی پبلک کا فرض ہے کہ وہ یوم اردو منانے کے لئے زیادہ سے زیادہ سرگرمی کا اظہار کرے اور مرکزی وزراء کو مدعو کر کے ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنے بیانات میں اس زبان کو زندہ رکھنے کا نہ صرف اقرار کریں بلکہ مرکزی گورنمنٹ دہلی، پنجاب، یوپی اور بہار وغیرہ کی گورنمنٹوں کو ان صوبجات میں اردو کو ایک علاقائی زبان قرار دینے کے لئے مجبور کرے کیونکہ کسی بھی زبان کا مذہب اور سیاست کے ہاتھوں تباہ ہونا لٹریچر پر بہت بڑا ظلم ہے۔

(ریاست دہلی)

یوجنا

حکومت ہند کے محکمہ مطبوعات کی طرف سے انگریزی اور ہندی میں ایک پندرہ روزہ رسالہ یوجنا شائع ہوتا ہے جس میں تعمیری کاموں اور پنج سالہ منصوبوں کے متعلق مفید اور ٹھوس مضامین ہوتے ہیں۔ یہ دونوں رسالے ملک کے تعلیم یافتہ طبقوں کی رہنمائی کر رہے ہیں بلکہ ان میں ایک نیا جوش بھی پیدا کر رہے ہیں، جو بجائے خود ایک اہم اور مفید کام ہے۔ لیکن اس کے باوجود اردو میں بھی یوجنا کا ایک ایڈیشن شائع ہونے کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ ملک میں کروڑوں لوگ ایسے موجود ہیں جو ہندی اور انگریزی سے واقف نہیں ہیں اور صرف اردو ہی جانتے ہیں۔ ان میں کسی مذہب اور علاقے کی تخصیص نہیں ہے ایسے لوگ ہر جگہ کافی تعداد میں پائے جاتے ہیں، خصوصاً دہلی، پنجاب، یوپی، بہار، مدھیہ پردیش، راجستھان، بمبئی اور آندھرا میں، مدراس میں بھی ان کی تعداد کافی ہے۔ یہ لوگ بھی قومی زندگی کا اہم جزو ہیں اور وقت کی پکار ان تک پہنچنی چاہیے اس لئے اردو میں یوجنا کی اشاعت ضروری ہے۔

ہمیں معلوم ہوا ہے کہ انگریزی اور ہندی کے رسالوں پر حکومت کافی خرچ کر رہی ہے اور اسے گھاٹا بھی ہو رہا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یوجنا کا اردو ایڈیشن بہت کم صرفہ سے نکل سکتا ہے اس سلسلہ میں صرف ہندی ایڈیشن کے مواد کی زبان بدلنی پڑے گی۔ ویسے طباعت پر کوئی زیادہ خرچ نہیں آئے گا جہاں اور خرچ ہوتا ہے وہیں اس میں تھوڑا سا اضافہ بھی برداشت کیا جا سکتا ہے مگر اس سے فائدہ بہت ہوگا اور ایک بڑی ضرورت پوری ہوگی۔ ہمیں یہاں ہندی سے اختلاف نہیں ہے ہندی میں یوجنا کی اشاعت ضروری ہے اور ہماری تجویز کو ہندی اردو کا سوال بنانا بھی بے انصافی ہوگی۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ یوجنا کا انداز بیان اور انداز تحریر چونکہ عوام و خواص کو اپیل کرتا ہے اس لئے اس کی اشاعت اردو میں ہونی چاہیے تاکہ اردو پڑھنے والے بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں رہا خرچ کا سوال تو جہاں اتنا خرچ ہوتا ہے تھوڑا سا اور سہی۔

(پیام وطن دہلی)

انجمن کی چند اہم مطبوعات

۱۔	اردو ہندی ڈکشنری	مرتبہ انجمن	قیمت ۱۵/- روپے
۲۔	باپو کے قدموں میں	ڈاکٹر راجندر پرشاد	۱۵/-
۳۔	سیاسیات کے اصول معادل	بادل خاں عمرانی	۳/-
۴۔	حصہ دوم		۳/-
۵۔	حصہ سوم		۱/-
۶۔	کاروان حیات	قمر الدین شکیب	۲/-
۷۔	مرقع الخان	ابراحسین فاروقی	۳/-
۸۔	دھیمد	منور لکھنوی	۲/-
۹۔	اخلاقی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۲/-
۱۰۔	ہندوستانی سماجیات		۲/۸
۱۱۔	انتخاب جدید	آل احمد سرور	۳/-

انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ

لغت اور استعمال عام

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

رشید حسن خاں

سبق درس عربی میں بہ سکون با کے معنی ہیں "آگے نکل جانا" اور بہ فتح با کے معنی ہیں "درس" وغیرہ۔ لیکن فارسی میں دونوں معنی کے لئے بہ سکون با بھی آتا ہے (بہار عجم) اردو میں یہ صرف ایک معنی میں مستعمل ہے (درس) اور اس معنی کے لئے یہ بہ فتح با آتا ہے۔ آگے نکل جانے یا بازی لے جانا کے معنی میں سبقت بولتے ہیں۔

سپاس شکر فارسی میں بہ کسر سین و بہ ضم سین دونوں طرح مستعمل ہے۔ اردو میں صرف بہ کسر سین بولتے ہیں۔

فراق جدائی عربی میں بالکسر مصدر ہے جس کے معنی ہیں "از ہم دگر جدا شدن" اور بہ فتح بہ طور اسم جدائی کے معنی میں آتا ہے اردو میں صرف بالکسر اسم کے معنی میں مستعمل ہے۔

نزع نجات فارسی میں اس کی دو حرکتیں ہیں بہ کسر نون و بہ فتح نون۔ اردو میں صرف بہ کسر نون آتا ہے۔

مقصد مدعا یہ دسوں لفظ عربی میں بہ کسر حرف ثالث ہیں۔ لیکن اردو میں یہ صرف بہ فتح حرف ثالث مستعمل ہیں۔

مصرف جائے مصرف ان میں سے مقصد و منصب میں اہل فارس نے تصرف کیا ہے یعنی ان کو بہ فتح حرف ثالث استعمال کیا ہے۔

مطلع شعر اول غزل
مقطع شعر آخر غزل
مرجع جائے رجوع
منصب مرتبہ
میت مردہ

باقی الفاظ کے متعلق اشعار یا فارسی لغات میں کوئی تصرف نظر سے نہیں گزرا بہر تقدیر اردو میں کسر و فتح میں معلوم ہوا اس لئے یہ سب الفاظ صرف بالفتح حرف ثالث مستعمل ہیں۔ منصب کے متعلق غیاث و داختا لغات میں تشریح ہے کہ یہ بالفتح متصرف فیہ ہے ازاحمد میں صاحب وجلال اسیر کی اسناد بھی مندرج ہیں۔ البتہ مقصد کے متعلق کسی لغت نے تصرف کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہاں تجری نے ایک جگہ مفتوح استعمال کیا ہے

سید سردار
جید بنا مضبوط
تیز مدہش بسوز

منہ از عقدۂ دل باست آں زلف معقد را
بحمد اللہ کہ ربطے ہست با مطلق مقید را
بمسکن نیستراز پہلوئے گردش سرد نگرفتہ
کند شہ بر براق معرفت اقصائے مقصد را و نجری

عشوہ ناز۔ انداز عربی میں بہ سہ حرکات اول ہے اور اس کے معنی ہیں "کار پوشیدہ کردن۔ آمدن کہ بشب دیدہ شود، تاریکی میان شب" (منتخب صراح) فارسی میں بطور مجاز ناز و انداز کے مفہوم میں مستعمل ہے اور حرف اول مکسور ہے (بہار عجم) اردو میں فارسی تصرف کے مطابق ناز و انداز کے معنی میں بہ کسر اول مستعمل ہے۔

جلوہ دیدار عربی میں بہ کسر اول و بہ فتح اول دونوں طرح آتا ہے لیکن معنی میں تھوڑا سا فرق ہے بہ فتح جیم کے معنی ہیں "نمودن عروس کردن خود را کسے" اور بالکسر کے معنی ہیں "بہ نوع خاص خود را نمودن بہ کسے" جیسا کہ غیاث میں مدار الافاضل اور کشف اللغات کے حوالے سے درج ہے۔ فارسی میں کوئی امتیاز نہیں وہاں صرف بالفتح مستعمل ہے (بہار عجم) اردو میں بھی صرف بالفتح رائج ہے۔

قالب سانچہ عربی میں بہ کسر لام کے معنی ہیں "برگردانندہ" سانچے کے معنی میں بہ فتح لام آتا ہے لیکن منتخب میں اس معنی میں بہ کسر لام بھی درج ہے۔ فارسی میں بہ کسر لام و فتح لام دونوں طرح صرف سانچے یا بدن کے معنی میں ہے اردو میں صرف بہ کسر لام سانچے کے لئے آتا ہے۔

برقع معروف عربی میں بہ ضم با و قاف، بہ فتح با و قاف بہ ضم با و فتح قاف، تینوں طرح آتا ہے اردو میں صرف بالضم با و فتح قاف مستعمل ہے

معدہ " عربی میں اس کی دو حرکات ہیں۔ کسر میم و کسر عین، اردو میں صرف بہ کسر میم و سکون عین مستعمل ہے۔

عرق ڈوبنا عربی میں بہ فتح اور بہ فتح اول و سکون ثانی دونوں طرح آتا ہے۔ اردو میں صرف بہ فتح اول و سکون ثانی ہے (باقی)

تبصرے

خلیل الرحمٰن اعظمی

سدرہ وطوبیٰ

مصنف ۔ الم مظفرنگری

ناشر ۔ مکتبہ برہان ۔ دہلی

قیمت ۔۔۔ دو روپے آٹھ آنے

الم مظفرنگری ہندوستان کے ان شعراء میں ہیں جنھوں نے فن شعر کو خلوص اور سنجیدگی کے ساتھ اختیار کیا ہے ۔ انھیں زبان و بیان پر قدرت حاصل ہے اور جو کچھ کہتے ہیں اس میں شائستگی اور نفاست کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے ۔ سدرہ وطوبیٰ ان کا تیسرا مجموعہ کلام ہے جس میں ان کی نظمیں ، غزلیں اور فارسی کلام شامل ہے ۔ الم کی نظمیں موضوعات کے اعتبار سے جدید لیکن انداز نگارش کے لحاظ سے قدیم نظم نگاری سے زیادہ قریب ہیں جہاں غزل مسلسل یا طویل قطعے کو عنوان دے کر نظم کا نام دیا جاتا تھا ۔ ان نظموں پر اقبال کی ابتدائی شاعری اور سیماب کے منظومات کی چھاپ ہے ۔ البتہ غزل میں الم صاحب کی انفرادیت زیادہ نمایاں طور پر ابھری ہے اور ان کی شاعری کا یہی حصہ ہماری توجہ کو اپنی طرف کھینچتا ہے ۔ چند اشعار مثال کے طور پر یہ ہیں ۔

ملا ور یا دلی سے کون جانے بعد یک ساعت
بدل جائے گا نظم گردش محفل تو کیا ہوگا

اس آئین نوا کی داد کوئی دے نہیں سکتا
دھوئیں کی سوچ تک اٹھی نہ شمع بزم ماتم سے

حجاب حسن کی خاطر کئی پہلو نکل آتے
محبت کی طبیعت بھی اگر کچھ نکتہ ہیں ہوتی

وفا پر تبصرے کچھ ہو رہے ہیں ان کی محفل میں
زبان عشق بھی تو بات کوئی کام کی کہہ دے

انا الحق کی حقیقت پر جہاں ہوتی ہیں تنقیدیں
وہاں افسانۂ دار و رسن کہنا ہی پڑتا ہے

قفس میں ہم نوا اتنا تحمل بھی نہیں زیبا
رہا باقی نہ احساس پر افشانی تو کیا ہوگا

نگاہ شوق بیگانہ ہے رسم ضبط الفت سے
اسی کم بخت سے تو آرزو بدنام ہوتی ہے

تجلیات گلستاں کا اعتبار نہ کر
چمن میں پھول نہیں بجلیوں کے ہیں سائے

"سدرہ وطوبیٰ" مجموعی طور پر ہمارے شعری ادب میں ایک خوشگوار اضافہ ہے ۔

آہنگ سرمدی

مصنف ۔ الم مظفرنگری

ناشر ۔ مکتبہ برہان دہلی قیمت ۲/- روپے

"آہنگ سرمدی" گیتا کا منظوم اردو ترجمہ ہے جو جناب الم مظفرنگری کی کاوش فکر کا نتیجہ ہے گیتا کے یوں تو اس سے پہلے بھی اردو میں منظوم ترجمے ہو چکے ہیں لیکن اس ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فیضی کے فارسی ترجمہ گیتا کا اردو ترجمہ ہے ۔ مترجم نے فیضی کی گیتا کے منظوم کے علاوہ بعض اور کتابوں سے استفادہ کیا ہے جن کے نام یہ ہیں ۔

(۱) گیتا سیدو حنفی کا فارسی ترجمہ جو لالہ بہاری لال نے کیا ہے ۔
(۲) گیتا رہسیہ ۔ مولفہ تلک آنجہانی
(۳) گیتا اور قرآن ۔ پنڈت سندر لال

الم صاحب کا یہ ترجمہ شگفتہ اور رواں ہے ۔ اصل گیتا کی شعریت کے علاوہ فیضی کے شاعرانہ محاسن کو بھی اردو میں منتقل کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے ۔ ابتدا میں "حرف تحسین" کے عنوان سے ایک فاضلانہ مقدمہ بھی ہے جس میں گیتا کے فلسفیانہ مباحث کی تشریح و تعبیر کی گئی ہے ۔ ترجمے میں جابجا ایسے حواشی بھی لگائے گئے ہیں جن سے ہندو فلسفے کی بعض اصطلاحات کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے ۔

میاں داد خاں سیاح اور ان کا کلام

مرتبہ ۔ ڈاکٹر ظہیر الدین مدنی

ناشر ۔ ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد (دکن) ، قیمت ۲/- روپے

میاں داد خاں سیاح غالب کے چہیتے شاگردوں میں تھے اور جن لوگوں نے مرزا کے خطوط کا مطالعہ کیا ہے وہ سیاح کی دلچسپ اور رنگا رنگ شخصیت سے خوب واقف ہیں ۔ سیاح کے دو چار اشعار کے علاوہ ان کے کلام کا پتہ نہیں چلتا تھا ۔ ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے سیاح کا ایک اردو دیوان دریافت کر لیا ہے اور اسے مرتب کر کے اردو دان طبقے کے سامنے پیش کیا ہے اس دیوان میں سیاح کی ۱۰۳ اردو غزلیں ہیں اور یہ شعر بھی جو اردو کا مقبول ترین شعر ہے ۔

قیس جنگل میں اکیلا ہے مجھے جانے دو
خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

مدنی صاحب چونکہ سیاح کے ہم وطن ہیں اس لئے جہاں انھیں اس دیوان کو دستیاب کرنے میں آسانی ہوئی وہاں انھوں نے بڑی کوشش سے سیاح کے حالات زندگی بھی اکٹھا کئے ہیں اور مختلف تذکروں میں سیاح سے متعلق جو مواد بکھرا پڑا ہے اسے بھی یکجا کر دیا ہے ۔ یہی نہیں بلکہ جو کسر رہ گئی تھی اسے اردو زبان کے نامور محقق قاضی عبدالودود صاحب نے "انتخاب" لکھ کر پوری کر دی ۔ یہ کتاب غالبیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے ایک نادر تحفہ ہے

مراسلات

۱۵- جولائی کے اخبار میں مولانا ضیاء احمد بدایونی دام ظلہم نے "کبیر جوگی" کے تبصرے میں نام نہاد اسلامی تصوف کو پارسیوں سے ماخوذ نہیں سمجھا ہے اور چونکہ مجھے اس امر کا علم نہیں کہ موصوف آج کل علی گڑھ میں تشریف فرما ہیں یا بدایوں میں بنابریں یہ خط آپ کے توسط سے روانہ کرتا ہوں۔

حضرت مولانا خوب واقف ہوں گے کہ علامہ اقبال خود صوفی تھے لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنے ایک مکتوب میں صاف طور سے ارشاد فرمایا ہے کہ " وقت پاکر ایران کا آبائی اور طبعی مذاق اچھی طرح ظاہر ہوا یا بالفاظ دیگر مسلمانوں میں ایک ایسے لٹریچر کی بنیاد پڑ گئی جس کی بناء وحدت الوجود تھی ان شعراء نے نہایت عجیب و غریب اور بظاہر دل فریب طریقوں سے شعائر اسلام کی تردید و تنسیخ کی ہے " (اقبال نامہ جلد اول ص ۴۴) پھر اگر راد ھا سوامی ست سنگ والے یہ کہتے ہیں کہ نام نہاد اسلامی تصوف تو مسلم پارسیوں سے ماخوذ ہے تو ناقد سر بگریباں کیوں ہوتا ہے۔

اس نام نہاد اسلامی تصوف کی اہم ترین تصنیف فصوص الحکم مصنفہ شیخ اکبر کے متعلق علامہ اقبال کے اصل الفاظ غور طلب ہیں " جہاں تک مجھے علم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد و زندقہ کے اور کچھ نہیں ہے (حوالۂ سابق ص ۴۴)

اور جہاں تک میری تحقیق کا سوال ہے جیسا کہ میں نے اپنی تصنیف " دین الٰہی کے عناصر اربعہ " کے صوفی عنصر میں بسط و شرح سے بیان کیا ہے ، تصوف کی تعلیم اور جو کچھ ہو اسلامی تعلیم تو نہیں ہے ۔ پھر آخر حضرت مولانا تصوف کو کس استدلال سے اسلامی تعلیم کا پرتو قرار دیتے ہیں ؟

(بیناؤ الہیں) محمد عباس طالب صفوی

میسور میں اردو صحافت کا ابتدائی دور

مورخہ یکم جولائی ۱۹۵۷ء کے "ہماری زبان" میں مندرجہ بالا عنوان سے میرا جو مضمون چھپا ہے اس میں نادر شریف صاحب صابر کی زیر ادارت نکلنے والے رسالے " دلسوز شکستہ احباء " بجائے ۱۸۸۶ء کے ۱۸۸۱ء لکھ دیا گیا ہے ۔ ناظرین براہ کرم اس کی تصحیح فرمالیں۔

عبد الغفار شکیل میسوری

بقیہ میسور کے اردو افسانہ نگار

کرتی ہے ۔ لیکن انسان جسم کا بھوکا ہے - وہ پسند نہیں کرتے - وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی ۔ مگر حالات نے اسے نرس بنا کر چھوڑا ۔ وہ ماں کی اکلوتی بیٹی ہے اور سہارا بھی ۔ وہ زینب ، شارداکے سامنے سیتی دیوی میں اپنی بیویوں کو داخل کر کے پھر پلٹ کر نہ دیکھنے والے یا جل کی سنانے اور مارنے والے شوہروں کا ذکر حقارت و نفرت سے کرتی ہے - شوہر بیزار عورت معلوم ہوتی ہے لیکن زینب کے سمجھانے پر پانچوں انگلیوں کے ایک جیسے نہ ہونے کی قائل ہو جاتی ہے ۔ لیکن بیوہ اور خوددار ماں خاموش ہے ۔ وہ زینب سے شادی کے بعد کے پیش آنے والے اندیشوں کے گھروندے بناتی ہے اور زینب کے زور دینے پر کہتی ہے " اگر اس کا جی چاہے تو شادی کرلے " نعیم نے بڑے فن کارانہ طریقے پر اس چھوٹی کہانی کو شاہکار بنا دیا ہے۔

نور حسین ، تجمل حسین ، منظور اسید ، عادل اور راؤ آنند نے بھی کچھ اچھے افسانے لکھے ہیں ۔ گھر کی اسمبلی ، عزت ، چوڑیاں ، ٹیکہ رشوت میں ایک لاش ، رنگے گیدڑ ، ضرورت ، دشمن ، جھوٹا وغیرہ جنوبی ہند کے ماحول کی اچھی تصویریں ہیں ۔ ہر ایک کے ہاں رچا ہوا انداز بیان ، طنز و مزاح اور کردار نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں

میسور کے ان اردو افسانہ نگاروں کے ہاں مذہب کا ایک صالح تصور ، تعمیر انسانی ، علم و عمل ، انسانی نفسیات ، جیو اور جینے دو ، سیاست بیزاری ، ساری دنیا کو اپنا وطن سمجھے اور ایک صرف ایک عظیم قوم کا گہرا تصور ، جیسے صحت مندانہ پہلو زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں ۔